بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا تعالیٰ نے جو ظاہری نیز معنوی حفاظت قرآن کے وعدے مجددین، مرسلین کے نزول سے پورے کئے ہیں

اس بات کی دلیل ہیں کہ قیامت برپا ہونے کا وعدہ بھی پورا ہوگا

شاہد حسین نمبر: ۸

Dt: 25 Mar 2009

احمدی بھائیوں کے نام: السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اما بعدہ گزارش ہے کہ راقم چوہدری غلام احمد نے اس سے قبل احباب جماعت کی خدمت میں حضرت ایوب احمدیت مرزا رفیع احمد، مجدد، مرسل صدی پندرہ کی بیان فرمودہ اعجازی تفسیر قرآن میں سے سورۃ المدثر کی مختصر جزوی تفسیر بھجوائی تھی۔ اس مرتبہ سورۃ القیٰمۃ کی آئت نمبر ۲۰ کی نہائت پر حکمت فکر انگیز اور روح پرور تفسیر ارسال کر رہا ہوں۔ جس میں شرح وبست سے یہ اظہار ہے کہ عالم الغیب حی وقیوم خدا تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے پاک کلام قرآن کریم کی ظاہری حفاظت نیز معنوی حفاظت کے وعدہ کو ہر صدی کے سر پر سلسلہ مجددین، مرسلین کے ذریعہ پورا کرتا رہا ہے اور وہ ان مطہرین کو خود علوم قرآنیہ پڑھاتا ہے اور مزید اپنے پاک الہام سے اُن معنوں پر حق الیقین کی مہر بھی ثبت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ اس بات کی یقینی دلیل ہوئی کہ حسب وعدہ قیامت بھی ایک دن ضرور برپا ہوگی۔

تفسیر سورۃ القیٰمۃ آیت ۲۰:

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ اس آیت کے دو معنے ہیں۔ ایک تو یہ بیان فرمایا کہ قرآن کریم کے سمجھنے میں اور قرآن کے معضلات کے حل کرنے میں مشکلات پیش آئیں گی لیکن گھبرانا نہیں۔ ہم اسکی تشریح کرتے جائیں گے اور بیان کرتے جائیں گے تا کہ کوئی بات ایسی نہ رہے جو حل طلب ہو اور حل نہ کی جائے۔

دوسرے یہ معنی ہیں کہ جہاں بحیثیت شاگرد کے جو بھی مشکلات پیش آئیں گی ان مشکلات کا دور کرنا ہماری ذمہ داری ہے وہاں بحیثیت اُستاد کے یعنی معلم ہونے کی حیثیت میں جو مشکلات تجھے پیش آئیں گی وہ مشکلات دور کرنا بھی ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اور ہم نے یہ فرض اپنے اوپر لے لیا ہے کہ ہم قرآن کو تیری زبان سے اور تیرے ذریعہ انسانوں کو کھول کر سنائیں گے اور قرآن کریم کے مشکل مقامات کی تشریح جو نوع انسان کو علم سکھانے کیلئے ضروری ہے تیرے ذریعہ ان تشریحات کو تکمیل تک پہنچانا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ نہ تجھے یہ فکر ہو کہ شاگردی کا حق تو کسطرح ادا کرے گا نہ یہ غم دامنگیر ہو کہ تمام دنیا کا استاد بن کر سارے زمانے کے انسانوں کو علم سکھانے کا فریضہ ایک بہت بڑا فریضہ ہے یہ کس طرح ادا ہوگا۔ فرمایا تو یہ فکر نہ کر اسکی ذمہ داری ہم لیتے ہیں کہ اپنی قدرت کاملہ سے تیرے سارے بوجھ ہم اٹھائیں گے اور تیرے سارے فرائض منصبیہ کی ادائیگی میں ہم تیری اعانت اور دستگیری کریں گے۔

إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو پہلے فرمایا تھا کہ جلدی جلدی سیکھنے کیلئے زبان نہ ہلا اور حدیث ابن عباس میں ہے کہ جب قرآن نازل ہوتا تو آپ اس خیال سے کہ کہیں بھول نہ جائیں جلدی جلدی دہراتے تھے تو یہ بھی صحیح ہے لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا زبان ہلانا شوق حصول علم کیوجہ سے سوالات کی صورت میں بھی ہوتا تھا۔ جسطرح کہ ایک علم کا شوقین اور حریص طالب علم دوران سبق سوال کرتا ہے تو تسلی دلائی کہ اطمینان رکھ سب علوم تجھے سکھائے جائیں گے اور تیرے دل میں جو بھی سوال اٹھتے ہیں ان سبکا جواب دیں گے اور کوئی مشکل اور اغلاق معانی قرآن کے سمجھنے میں نہیں رہنے دیں گے۔

ثُمَّ کا لفظ عربی میں دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک ترافئی وقت اور ایک ترافئی رتبہ۔ ترافئی وقت کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ایک کام کے بعد کچھ وقفہ سے دوسرا کام کیا جائے اور ترافئی رتبہ کے معنے ہوتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ بعد والی بعد وقت کے وقفہ سے ہو۔ بلکہ جب یہ کہنا ہو کہ یہ بھی کریں گے اور اسکے علاوہ یا اس سے بڑھ کر ایک دوسرا کام بھی تو ایسے موقعہ پر ثُمَّ کا لفظ استعمال کرتے ہیں جسکو ہم اردو میں مزید برآں یا علاوہ ازیں کے ذریعہ واضح کر سکتے ہیں اور عام طور پر مفسرین نے یہاں ترافئی رتبہ ہی کے معنوں میں ثُمَّ کا لفظ لیا ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ نہ صرف قرآن سارے کا سارا تجھ پر نازل ہوگا بلکہ اس پر مزید یہ احسان بھی کریں گے کہ سارے مطالب قرانیہ بھی تجھے عطا کریں گے۔

یہ معنی بھی درست ہیں لیکن ترافئی وقت کے معنے بھی ہیں کیونکہ بیان قرآن کسی ایک وقت سے مخصوص نہیں۔ رسول اللہ صلعم کی زندگی میں جسطرح قرآن کریم وقفہ وقفہ سے منجماً نازل ہوا کہ کبھی ایک سورۃ کبھی ایک آیت کبھی ایک حکم اور کبھی اُس حکم کی وضاحت نازل ہوتی رہی اور حسب ضرورت اور حسب حکمت قرآن کریم نازل ہوکر ۲۳ سال کی مدّت میں قرآن کریم کا نزول تکمیل کو پہنچا اسی طرح اسکا بیان اور تشریح بھی آہستہ آہستہ ہوتی رہی اور ثُمَّ کا لفظ اسبات کیطرف بھی اشارہ کرتا ہے اور اس بات کیطرف کے مطالب قرانیہ کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں۔ قرآن سارے انسانوں کیلئے اور سارے زمانوں کیلئے نازل ہوا۔ ہر زمانہ کے انسان کی اپنی مشکلات ہوتی ہیں اور ہر زمانہ اپنے ساتھ نئے مسائل لیکر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے وعدہ کیا کہ تیری خاطر ہم تیری امت پر یہ احسان کریں گے کہ جب بھی نئے زمانے میں نئے مسائل مسلمانوں کیلئے پیدا ہونگے اور ضرورت ہوگی کہ ان مسائل کے لئے قرآن سے حل تلاش کیا جائے تو اللہ تعالیٰ خود اس ضرورت کو پورا فرمائے گا یعنی مجددین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ کے مسلمانوں کے مشکلات کا حل قرآن سے نکال کر انکے سامنے پیش کردے گا۔

پس إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ میں خدا تعالیٰ نے خاتم الانبیاء صلعم کی امت سے وعدہ فرمایا ہے کہ علوم قرانیہ کے سیکھنے اور سکھانے کیلئے جن مطہرین کی ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق اسکا سامان فرمائے گا۔ ان آیات میں حفاظت قرآن کا وعدہ ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے الفاظ قرآن کا وعدہ فرمایا ہے، مطالب قرانیہ کی حفاظت کا وعدہ بھی إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کہہ کر فرمادیا اور یہ مسلمانوں میں سے ایک طبقہ کی بڑی غلطی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ الفاظ قرانیہ کی حفاظت کی تو ضرورت ہے مطالب قرآن کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ اگر قرآن کے الفاظ محفوظ ہوں مگر مطالب محفوظ نہ ہوں تو کیا فائدہ اور نزول قرآن کا مقصد یعنی طہارت قلب اور تزکیہ نفس کسطرح پورا ہوا اور ایمان کے تقاضے کسطرح پورے ہوں۔ یہ محض عقلی دلیل نہیں۔ قرآن کریم میں پہلی قوموں کی واضح مثال سے ثابت فرمایا تھا کہ کتاب کے محض الفاظ کافی نہیں ہوتے اور صرف الفاظ رٹ لینے سے جہالت دور نہیں ہوجاتی جیسا کہ یہود کے ذکر میں فرمایا۔ مِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لاَ يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلاَّ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَظُنُّونَ (2:79) یعنی ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ صرف توراۃ کو پڑھ سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ انکو علم نہیں اور کتاب کی تعلیم اور حکمت سے بے بہرہ ہیں۔ امانئ کے معنے حروف شناسی یعنی لکھے ہوئے کے پڑھنے کے بھی ہیں جیسا کہ حضرت حسّان کے شعر تمنّی کتاب اللہ اول لیلۃ کہ رات کے ابتدائی حصہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے پڑھتے رہے تو اس آیت میں باوجود اسکے کہ وہ لوگ توراۃ کو پڑھ سکتے تھے اور پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جاہل اور شریعت سے ناواقف قرار دیا ہے۔ یہ نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر صرف قرآن کی تلاوت اور الفاظ کا پڑھنا ہی فرض نہیں کیا بلکہ اسکے مطالب کا سیکھنا اور اسکے معانی پر غور کرنا بھی فرض کیا ہے۔ فرمایا کہ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا کہ قرآن پر کیوں غور نہیں کرتے۔ کیا انکے دلوں پر قفل لگے ہیں کہ آیات اللہ پر تدبر اور اسکے معانی کے حصول میں مانع ہوگئے ہیں۔ یہ آیات اور دوسری بہت سی آیات واضح کرتی ہیں کہ قرآن کی حفاظت صرف ظاہری الفاظ تک نہیں ورنہ پھر یہود کو کیوں الزام دیا گیا کہ وہ کتاب پڑھتے تو ہیں مگر اسکے حقائق کا علم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے جس حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا وہ ظاہری الفاظ اور باطنی علوم و معارف دونوں سے متعلق تھا جیسا کہ فرمایا إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بدلائل ثابت فرمایا ہے کہ اس حفاظت میں علوم قرانیہ کی حفاظت کا بھی وعدہ تھا جو مجدّدین اور محدثین اور مرسلین کی بعثت کے ذریعہ پورا ہوتا رہا اور پورا ہوتا رہے گا۔ حدیث مجددین بھی اسی آیت یعنی إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کے تحت اور اسکی تشریح ہے۔ یہی مضمون إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ میں بھی موجود ہے اور وعدہ ہے کہ رسول خدا کی امت کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا۔ جب بھی ضرورت ہوگی ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق مسائل کے حل کرنے کیلئے قرآن کریم کی تفسیر و توضیح کیلئے اللہ تعالیٰ سامان فرمائے گا اور وہ سامان مسلمان اپنی تدبیر سے نہیں کریں گے نہ کرسکیں گے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور وہی کرے گا کہ قرآن وہ پاک کتاب ہے کہ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ خدا سے دور اس کتاب کے معانی و معارف سے دور رکھے گئے ہیں اور وہی اس کلام کے مطالب پر اطلاع پاتے ہیں جو اس پاک ذات سے محبت ذاتی کا تعلق رکھتے ہیں جنکو اسکے حبیب سے محبت کی نسبت ہوتی ہے جو اسکے رسول کی شفاعت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ قرآن خدا کے رسول پر اترا اور قرآن کے معارف قلب رسول پر الہام ہوئے اسلئے بجز شفاعت محمدی کوئی شخص علوم قرانیہ کی سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا اور شفاعت باذن اللہ ہوتی ہے۔ بارالٰہی ہوا کرتی ہے۔ تزکیہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسلئے وہ مسلمان جو سمجھتے ہیں کہ انھیں مطالب قرانیہ سمجھنے کیلئے کسی آسمانی مدد کی ضرورت نہیں وہ اپنی کم علمی ہی کا ثبوت نہیں دیتے بلکہ ثابت کرتے ہیں کہ انہیں آسمانی باتوں

اورالٰہی اسرار سے کچھ بھی نصیبہ حاصل نہیں۔

یہ بات مسلمّہ ہے اور تمام علماء اور تمام اہل زبان اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ کلام کی تشریح وتوضیح کا حق متکّلم کو ہوتا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے میں نے دیکھا اور وہ اسکی تشریح کر دیتا ہے یا قرینہ قویہ قائم کر دیتا ہے کہ مراد اسکی رویت سے رویتِ قلبی ہے کہ دل کی آنکھوں سے کسی حقیقت کا مشاہدہ کیا تو دوسرے کو کوئی حق نہیں کہ وہ کہے کہ نہیں رویتِ سے مراد رویتِ عین اور ظاہری آنکھ سے کسی کا ملاحظہ کرنا ہے۔ تو یہ مسلمہ اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسلمّہ اصول کی تصدیق فرمائی ہے۔ جو فرمایا کہ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ قرآن ہمارا کلام ہے اور ہمارا ہی یہ حق ہے کہ ہم اسکے مطالب ومعانی کی وضاحت اور بیان کریں۔ کسی دوسرے کا یہ حق نہیں۔ یہ آیت صریح الدلالۃ ہے کہ امت محمدیہ کے اختلاف کے دور کرنے کیلئے حکم کی ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ کیطرف سے اختلافات کا فیصلہ کرنے کیلئے مبعوث ہو۔ کوئی دل کا کورا ہی إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ پڑھنے کے بعد حکم کی ضرورت کا انکار کرسکتا ہے۔ پس إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ میں وعدہ دیا گیا ہے کہ جب بھی امت میں اختلاف پیدا ہوگا اور قرآن کریم کے معانی کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کے موافق جو فرمایا کہ قرآن ہمارا کلام ہے اور ہم اسکے معانی کے بیان کا حق رکھتے ہیں اور یہ ذمہ اپنے اوپر بطور فرض واجب کے لیتے ہیں کہ ہم قرآنی مطالب کی وضاحت خود کریں گے۔ آج کے مسلمانوں کو خدا کے تقوی سے کام لیکر غور کرنا چاہئے کہ کیسے کیسے اختلاف پیدا ہوگئے تو کیا حکم ربّانی کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ اور ایک طبقہ کہتا ہے کہ اسکے معنے ہیں کہ اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو پورا پورا بھر دیا اور دوسرا اسکے یہ معنی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ فوت ہوگئے اور اسی طرح دنیا سے کوچ کر گئے جسطرح دوسرے انسان خواہ ولی ہوں یا نبی دنیا سے کوچ کر گئے۔ قطع نظر اسکے کہ اہل عرب توفی کے معنی کیا کرتے ہیں۔ قطع نظر اسکے کہ یہ معنی کہ پورا پورا بھر دیا کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتے۔ نہ لغت اور محاورہ اہل زبان کا اسکی اجازت دیتا ہے نہ یہ حقیقت کے مطابق ہیں۔ آخر کس طرح پورا پورا بھر دیا۔ کیا الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي الآیہ عیسیٰ ابن مریم پر نازل ہوئی۔ پورا پورا تو اسے دیا گیا اور گھر تو اسکا بھرا گیا جس پر قرآن نازل ہوا۔ اگر فرض بھی کرلیں کہ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ کے معنی پورا پورا بھرنے کے ہو سکتے ہیں تو بھی یہ معنی عیسیٰ یا موسیٰ یا کسی اور نبی پر صادق نہیں آتے۔ جسکو پورا دیا گیا، جس پر ہر نعمت پوری ہوئی جو ہر فضل وکمال میں خاتم ہے۔ وہ تو ایک ہی ہے تو پھر کن معنوں کی رو سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ عیسیٰ کو پورا پورا بھر دیا۔ کوئی ایک ایسی بات کوئی ایک ایسی فضیلت ثابت نہیں کر سکتے جسکی روح سے یہ کہا جا سکے کہ عیسیٰ ابن مریم کو وہ دیا جو کسی کو نہیں دیا۔ ہاں محمد رسول اللہ صلعم کا وجود ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر فضیلت اور ہر وصف میں آپ کو افضل بنایا اور ہر خوبی آپکی ذات میں اپنے کمال تام کو پہنچی یعنی پورا پورا بھر دینے کا مفہوم اگر کسی ایک انسان کی زندگی اور احوال پر صادق آتا ہے تو وہ ایک ہی انسان ہے یعنی انسان کامل۔

جہاں بھی قرآن کریم میں پورا دینے اور بھر دینے کا مفہوم ہے باب تفصیل سے ہے اور اسکے دو مفعول ہیں۔ جیسے فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ (24:40) یعنی اسکا پورا پورا حساب کر دیا وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ (3:58 – 4:174) مومنوں اور عمل صالح کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ انکا پورا پورا اجر دے گا۔ اس طرح سے قرآن کریم میں یہ لفظ سولہ سترہ دفع جہاں پورا دینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ہر جگہ باب تفصیل سے ہے اور ہر جگہ متعدی بدو مفعول ہے اور کہیں بھی کسی ایک فرد کی خصوصیت کا مفہوم نہیں ہے جیسا کہ فرمایا إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ بغیر حساب جنکو اللہ تعالیٰ اجر دیتا ہے اور بھر دیتا ہے وہ صابر لوگ ہیں سو ان معنوں کی روح سے بھی مسیح علیہ السلام کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر صابر انسان کیساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی سلوک ثابت ہوتا ہے۔

پس اگر مطلق طور پر پورا پورا دینے کے معنے لئے بھی جاسکیں تو یہ مفہوم صرف اور صرف ایک انسان پر اطلاق پا سکتا ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے اور جسکو ہر لحاظ سے پورا پورا دیا ہے اور بھر دیا ہے اور وہ کچھ دیا ہے جو کسی دوسرے کو نہیں دیا گیا۔

غرض بغرض محال اگر توفئ باب افعال سے ہو اور اسکا فاعل خدا تعالیٰ ہو اور ایک ہی مفعول ہو اور وہ مفعول ذی روح ہو اور پھر اسکے معنی وفات دینے کے نہ ہوں بلکہ پورا پورا دینے کے ہیں تو بھی يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے معنی وہ نہیں ہو سکتے جو ایک طبقہ مسلمانوں کا کرتا ہے کہ پورا پورا بھر دیا کیونکہ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ان معنوں کی تردید کر دیتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بیان فرمایا ہے اور یہ اصول تمام اہل زبان کے ہاں مسلمہ ہے کہ کلام کے وہ معنے نہیں لئے جا سکتے جو متکلم کا منشا نہ ہو کہ

إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ قطعی الدلالت ہے کہ قرآن کے وہی معنے صحیح ہو سکتے ہیں جو کلام کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق ہوں یعنی وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جن معنوں کی تصدیق فرمائے وہی کلام اللہ کے معنے لئے جائیں گے اور جو معنی خدائی وحی سے ثابت نہ ہوں وہ معنے خواہ کتنے بھی دلائل اسکے ساتھ ہوں غلط ہونگے کہ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کی نص صریح انکے غلط ہونے پر شاہد ہے إِنِّي مُتَوَفِّيكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے یہ معنے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تمام انبیاء کیطرح فوت ہوگئے اور انکی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ خصوصیت کورد کیا گیا ہے۔ یہ معنی اگر حضرت بانی سلسلہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کئے ہوتے تو دوسرے مسلمانوں کیلئے اختلاف کی گنجائش ہوسکتی تھی لیکن یہ معنی آپ نے اپنی طرف سے نہیں کئے بلکہ جیسا کہ براہین احمدیہ کی تصنیف گواہ ہے آپ خود بھی پہلے وہی معنے کرتے تھے جو دوسرے مسلمان کرتے ہیں۔ یہ معنی کہ مسیح علیہ السلام زمرہءِ اموات میں شامل ہیں،اس نے کئے ہیں جسکا کلام ہے اور اپنی پاک و مطھر وحی کے ذریعہ کئے ہیں جیسا کہ فرمایا مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہوکر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔ (مجموعہ وحی مسیح موعود۔صفحہ ۱۸۳) اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي اور إِنِّي مُتَوَفِّيكَ کے اسکے علاوہ کوئی معنی اسلئے نہیں ہوسکتے کہ خدا فرماتا ہے إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ قرآن کی تفسیر کرنا اور کلام اللہ کا منشاء بیان کرنا کہ کیا ہے اور کیا نہیں صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے یعنی وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی تشریح خود فرماتا ہے کہ جسطرح کلام اسکا ہے اور اسی نے اسے نازل کیا تشریح اور بیان بھی اس نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

اسی طرح سے خاتم النبین کے معنے ہیں کہ ان میں بھی امت میں اختلاف پیدا ہوا اور ایک طبقہ نے اسکے معنے ختم کرنے اور بند کرنے کیلئے اور اسکے علاوہ ہر معنی کا انکار کرنا شروع کر دیا اور ایک طبقہ نے اسکے معنی کھولنے کے کئے تو إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کے وعدہ کے مطابق خدا تعالیٰ کا فرض تھا جو اس نے خود اپنے ذمہ لیا کہ بیان فرمائے کہ اُس پاک ذات کا منشاء کیا ہے اور اِس نے کن معنوں میں اپنے رسول کو خاتم النبین کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حکم مبعوث فرما کر اس اختلاف کو بھی دور فرمایا اور حکم پر وحی نازل کر کے اسکا بیان فرمادیا کہ کوئی قید لگانا اور کسی ایک معنے پر اسکو محدود کرنا اسکا منشاء نہ تھا۔ جس نے یہ کلام نازل فرمایا اور واضح فرمادیا کہ اس نے اپنے نبی کو خاتم النبین قرار دے کر یہ بتایا ہے کہ ہر فضیلت کی کنجی رسول عربی صلعم کو دی گئی ہے اور ہر فیض الٰہی آپ کے توسط سے حاصل کیا جاسکتا ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے افاضۂ کمالات کیلئے مہر عطا فرمائی ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی وحی سے علم پا کر ونومن بانہ خاتم الانبیاء لا نبی بعدہ۔ الا الذی ربیٰ من فیضہ واظھرہ وعدہ (مواہب الرحمٰن) یعنی آنحضرت صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا سوائے اسکے جو آپ کے فیضان سے تربیت یافتہ ہو۔ یعنی جسکے مربی نبی کریم ہوں اور جسکا ظہور نبی کریم کے وعدوں کے مطابق ہو۔ ایسا شخص ختم نبوت کی مہر کو توڑنے والا نہیں بلکہ اسکا وجود ختم نبوّت کی حقیقت کو واضح کرنے والا اور آنحضرت صلعم کے منصب خاتم النبین پر خدا تعالیٰ کیطرف سے گواہ ہوتا ہے۔

یہ بھی ایک بہت بڑا اختلاف معنی قرآن کے متعلق ہے۔ ضروری تھا کہ اس اختلاف کو دور کرنے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ ہی اپنے وعدے کے مطابق بیان فرماتا کہ اسکے کلام کے وہ معنی جو اسکے منشاء کے مطابق ہیں ہزار دلائل ایک طرف یا دوسری طرف دئے جائیں یقینی طور پر اس بات کا ثابت کرنا کہ متکلم کا منشاء کیا ہے اسکی یہی صورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ القیٰمۃ میں وعدہ فرمائی کہ ہم بیان کریں گے اور ہمارا یہ ذمہ ہے چنانچہ یہ معنی جو خاتم النبین کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خاتم النبین کے کئے ہیں یہ بھی آپ کے اپنے کئے ہوئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے اپنے کلام کی تشریح فرمائی اور آپ کو حکم بنا کر اس منصب پر فائز کیا کہ ختم نبوّت کے معنوں میں جو اختلاف امت کے اندر پیدا ہوگیا اور یہ اختلاف کوئی نیا نہیں تھا۔ ہمیشہ سے مسلمانوں میں دونوں قسم کے معنے کرنے والے موجود رہے ہیں۔ پس اس اختلاف کو بھی اللہ کی وحی دور کرسکتی تھی کہ خود فرمایا تھا إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ اور اس وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ خاتم النبین کے معنی کر دئے اور اختلاف کو دور کرکے یقین کے سامان پیدا فرمادئے جیسا کہ اسکی وحی اسکی طرف سے مقرر کردہ حکم پر نازل ہوئی۔ پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب ہوکر فرمایا انّی معک یا ابن رسول اللہ اے ابن رسول اور اے وارث رسول میں تیرے ساتھ ہوں اور فرمایا انت تربیٰ فی الحجر النّبی کہ تو گود کا پالا ہے نبی کی گود کا پالا اور خاتم الانبیاء کے فیضان تربّیت سے تو اس مقام پر فائز ہوا کہ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے سرفراز کیا جاتا اور امت کے اختلافات کو دور کرنے کیلئے حکم مقرر کیا جاتا ہے۔ اعتراض کرنے والوں نے اس پر اعتراض کر دیا کہ فی الحجر النبی خلاف قاعدہ ہے کہ حجر مضاف ہے اس پر الف لام نہیں آسکتا۔ یہ لوگ اتنا نہیں جانتے کہ کلام میں حسب موقع حذف بھی فصاحت کا ایک نشان ہوتا ہے یعنی کلام یوں تھا انت تربیٰ فی الحجر حجر النّبی بہرحال یہ ضمنی بات ہے اصل مضمون جو میں

بیان کررہا ہوں وہ یہ ہے کہ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کے الفاظ قطعی الدلالت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کی امت سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ انکے اختلافات کو دور کرنے کیلئے حکم مقرر کرے گا اور وہ حکم جو امت کے اندرونی اور بیرونی اختلافات کو دور کرنے والا ہے وہی مسیح موعود ہے اور اسکا فیصلہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے کہ اسکے بغیر اختلاف کے دور ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ کوئی خودساختہ امام اور کوئی خودساختہ مفسر قرآن ان اختلافات کو دور نہیں کرسکتا کہ جب تک وحی الٰہی نہ بتائے کہ خدا کے کلام کا منشاء کیا ہے۔ اختلاف دور نہیں ہوسکتا کہ یہ مسلمّہ اصول ہے جسے قرآن کریم نے بھی قبول کیا ہے کہ متکلم ہی کا حق ہے کہ وہ بتائے کہ اسکے کلام کا منشاء کیا ہے جیسا کہ فرمایا إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ قرآن کی تشریح وتوضیح اور اپنے منشاء کی وضاحت ہمارا کام ہے اور ہمارے ذمہ ہے۔ اس طرح سے دو باتیں یہاں فرمائیں ایک تو یہ کہ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں کہ خواہ نخواہ دعوی کرے کہ کلام اللہ کا منشاء یہ ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا کا وعدہ ہے کہ وہ خود بیان کرے گا اور جب بھی ایسا اختلاف رونما ہوگا کہ کلام اللہ کا منشاء کیا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اسکا بیان فرمائے گا۔ پھر آگے اس بیان کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو عام اور معمولی تفسیر کی صورت میں کہ قرآن کریم خود اپنی تفسیر کرتا ہے اسلئے جو سچے دل سے معارف قرآن حاصل کرنے کا خواہاں ہے وہ خدا تعالیٰ کی مدد طلب کرتے ہوئے اس سے عاجزانہ دعاؤں کے ذریعہ خود قرآن میں غور کرے۔ تمام معضلات تمام مشکلات کا حل اسکے اندر پائے گا۔ دوسرے شدید اختلافات کی صورت میں جنکے حل کی کوئی صورت نہ ہو اور امت کے اختلافات اس حد تک پہنچ جائیں کہ امت کے مٹ جانے اور تباہ ہوجانے کا اندیشہ ہو تو حکم کو مبعوث فرما کر تازہ وحی کے ذریعہ اور یہ دونوں باتیں خود قرآن سے ثابت ہیں اور رسول اللہ صلعم نے قرآن ہی کی تشریح میں فرمایا تھا کہ انّ اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا اور قرآن ہی نے یہ بھی بتایا تھا کہ امت کا اختلاف جب انتہائی خطرناک صورت اختیار کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اس امت میں بھی ویسا ہی خلیفہ مبعوث کرے گا جیسا کہ پہلی امت یعنی موسوی سلسلہ میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں مسیح علیہ السلام آئے تھے اور وہ حکم ہوگا اور مھدی ہوگا۔

غرض إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ قطعی الدلالت ہے کہ قرآن کریم کا بیان اور وضاحت خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے رسول کو علوم قرانیہ سکھاتا تھا۔ اس سے یہ بھی اشارہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے قلب مطہر پر مسلسل ومتواتر مطالب قرانیہ وحی ہوتے تھے اور جسطرح وحی کے ذریعہ الفاظ قرآن نازل ہوتے تھے اسی طرح وحی کے ذریعہ وحی خفی اور وحی غیر متلوّ کے ذریعہ معانی ومطالب بھی نازل ہوتے تھے۔ بہرحال جب تک رسول اللہ صلعم اس دنیا میں بجسدہ العنصری موجود رہے وحی الٰہی کے ذریعہ معارف قرانیہ کا نزول آپ کے قلب مطہر پر ہوتا رہا اور آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق جاری رہا اور جاری رہے گا اور جب بھی امت میں اختلاف پیدا ہوگا اس وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ خود ہی اختلاف کو دور کرنے اور اپنے کلام کا صحیح منشاء بتانے کے سامان فرمائے گا۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بھی جب فساد از حد بڑھ گیا اور بر و بحر میں فساد ہوگیا تو تمام امتوں کے اختلاف کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو حکم بنا کر مبعوث فرمایا اور فرمایا کہ ان احکم بینھم بما انزل اللہ الیک ۔

اور آئندہ کیلئے بھی یہی وعدہ دیا کہ جب بھی قرآن کریم میں اختلاف ہوگا اور یہ اختلاف حفاظت قرآن کے وعدہ میں رخنہ پیدا کرے گا تو إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کے وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کھڑا کیا جائے گا۔ اگر مسلمان خدا کے خوف سے کام لیں اور اس وعید سے ڈریں جو پچھلی سورۃ میں لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ میں بیان ہو چکی کہ سقر کے عذاب کا موجب الْمُصَلِّينَ یعنی امام مہدی کی جماعت سے علیحدگی قرار دیا گیا اور پھر اسلام کا درد رکھتے ہوئے قرآن کی محبت سے اور رسول کی محبت سے کام لیتے ہوئے سوچیں کہ کیا إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کے ہوتے ہوئے انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کہیں کہ کتاب اللہ ہمارے پاس موجود ہے ہمیں کسی مامور کو قبول کرنے اور امام مہدی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں تو مسئلہ مشکل نہیں۔ ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ خدا تو فرمائے کہ کلام اللہ کی تشریح ہمارا کام ہے یعنی وحی کے ذریعہ ہم ایسا کریں گے اور ایک شخص مسلمان ہوتے ہوئے خدا پر حکم چلانے کی گستاخی کرے کہ نہیں میں خود قرآن کا مطلب اخذ کرسکتا ہوں۔ مجھے نعوذ باللہ اسکی ضرورت نہیں کہ خدا تعالیٰ اسکا بیان فرمائے۔ آخر کوئی ضرورت تھی جو فرمایا کہ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۔ ثُمَّ کو ترافئی رتبہ کے معنی میں لیں تو بھی اور ترافئی وقت کے معنوں میں لیں تو بھی یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نزول قرآن کے باوجود بیان قرآن کی ضرورت تھی۔ ترافئی رتبہ کی صورت میں یہ معنی ہیں کہ ہم نہ صرف قرآن نازل کریں گے اور اُسے تیرے سینہ میں محفوظ کریں گے بلکہ اسکے علاوہ اور اس پر مزید یہ احسان بھی کریں گے کہ قرآن کا بیان بھی بذریعہ وحی کریں گے تو کیا کوئی مومن ہوکر اور عقل رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کو تو ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ جہاں وحی کے ذریعہ اپنا کلام آپ پر نازل کرتا وہاں اسکا بیان اور اپنے کلام کا منشاء بھی بذریعہ وحی آپ پر کھولتا اور صحابہ کو تو ضرورت تھی کہ انھیں خدا تعالیٰ قرآن کریم کے مطالب کھول کر بتاتا

حالانکہ انکی تو زبان خالص عربی تھی۔ اب تو عربوں کی زبان بھی خالص نہیں رہی چہ جائیکہ وہ مسلمان جنکی زبان عربی نہیں یہ دعوی کریں کہ قرآن ہمارے پاس ہے ہمیں بیان کی ضرورت نہیں۔ ہم خود قرآن کا مفہوم سمجھ سکتے ہیں ہم خود ہی کلام اللہ کی اُس حقیقت کو پا سکتے ہیں جسکے عرفان سے اُمت کے اختلافات دور ہو جائیں۔ پھر ثُمَّ کے معنی ترافئی وقت بھی ہیں۔ اس سے مضمون اور بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جب ضرورت زمانہ جب بھی ضرورت ہوگی ہم اپنی طرف سے حکم مقرر کر کے بذریعہ وحی مطالب قرآن اس پر کھولیں گے اور گا ہے گا ہے وقتاً فوقتاً مطالب قرآن بیان کر کے اختلافات کو دور کرنے کے سامان خود کریں گے۔ سوچنے کی بات ہے اور غور کا مقام کے قرآن کریم تمام انسانوں اور تمام زمانوں کیلئے ہر زمانہ کی ضرورت الگ ہوتی ہے۔ کیا پاک کانشنس اس بات کی گواہی نہیں دیتی کہ حسب ضرورت زمانہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کا بیان خود بذریعہ وحی فرمائے اور انسان پر جو خطا اور نسیان کا پتلا ہے بیان قرآن کو نہ چھوڑے کہ اسکے لئے ہزار ٹھوکروں کے اندیشے ہیں۔ جو مسلمان إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کے مفہوم کو نہیں سمجھتا اور یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے بیان کی ضرورت نہیں ہم خود قرآن سے ہدایت کر سکتے ہیں وہ درحقیقت قرآن کو دائمی شریعت نہیں مانتا ورنہ اس بات کو سمجھنے کیلئے کسی بہت بڑی عقل بھی ضرورت نہیں۔ معمولی سمجھ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صحابہ کا زمانہ اور تھا اور اُس زمانہ کی ضرورتیں اور تھیں اور جسطرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کیلئے فہم قرآن کو انکی عقل پر نہیں چھوڑا حالانکہ وہ تقوی میں علم و معرفت میں ہم سے بہت بڑھ کر تھے اور انکی زبان بھی خالص عربی تھی تو یہ کسطرح ممکن ہے کہ موجودہ فاسد دور کے مسلمانوں کو جب کے طرح طرح کے گندے فلسفوں نے اور بداعمالیوں نے مسلمانوں کا حال خراب کر رکھا ہے (جیسا کہ پہلی سورۃ میں بتفصیل بیان ہو چکا) اللہ تعالیٰ اپنی عقل کی رہنمائی پر چھوڑ دے اور چھٹی دیدے کہ جسطرح سے چاہیں قرآن کی اپنی رائے اور خواہش کے مطابق تفسیر اور تشریح کرتے رہیں۔ پس جو مسلمان اس بات کو نہیں مانتا کہ ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق خدا تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ قرآن کریم کے مطالب کھولتا ہے اسکا یہ دعوی کہ وہ قرآن کو دائمی شریعت اور تمام زمانوں کے مفاسد کا علاج اور تمام زمانوں کے مسائل کا حل کرنے والا یقین کرتا اسکا یہ دعوی کسی طور صحیح اور قابل قبول نہیں ہو سکتا بلکہ نفس کا دھوکہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس وعدہ کو کہ ہم خود قرآن کے مطالب کھولیں گے حفاظت قرآن کیساتھ مربوط کیا ہے اور اس بات پر کہ قرآن غیر منسوخ اور ہمیشہ کیلئے ہے إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کا وعدہ بطور دلیل کے قائم کیا گیا ہے کیونکہ اگر قرآن کا محفوظ ہونا ثابت ہو جائے عقلی اور نقلی دلائل کیساتھ اور آسمانی نشانوں اور تائیدات سماوی سے یہ بات بپایۂ ثبوت تک پہنچ جائے کہ قرآن محفوظ ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو جائے کہ جسکا کلام ہے وہ زندہ خدا ہے اور سمیع و بصیر ہے، وہ جانتا ہے کہ اسکے کلام کو پڑھنے والوں کی کیا مشکلات ہیں انکی کیا پرابلم ہیں انکو قرآن کے سمجھنے میں کیا دقت پیش آرہی ہے وفات وحیات مسیح کا مسئلہ مشکل بن رہا ہے یا ناسخ و منسوخ کا یا رسول اللہ صلعم کے منصب ختم نبوت کی حقیقت کے سمجھنے میں دشواری پیش آرہی ہے اور وہ بذریعہ وحی ان مشکلات کو حل کرنے کے سامان پیدا فرمادے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور غیر مبتدل اور ناقابل نسخ ہے ہمیشہ کیلئے دائمی شریعت ہے اور اگر ان میں سے کوئی بات ثابت نہ ہو تو نعوذ باللہ قرآن کریم کے غیر منسوخ ہونے میں شبہات پیدا ہوتے ہیں اور ہوئے ہیں۔ ایسے مسلمان کہلانے والوں کی کمی نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے کے انسانوں کیلئے جو چیز قابل عمل ہو سکتی ہے ضروری نہیں کہ وہ موجودہ صنعتی دور کے سائنس میں ترقی یافتہ انسان کیلئے بھی مفید اور قابل عمل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کے مجموعہ کو جو إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ سے لیکر إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ تک بیان ہوئیں قرآن کریم کے دائمی شریعت ہونے پر مجموعی طور پر دلیل ٹھہرایا ہے اور اس مجموعہء دلائل کو قیامت کا ثبوت قرار دیا ہے اور جو بھی ان باتوں پر جو ان آیات میں بیان ہوئیں مجموعی طور پر غور کرے گا تو اسے یقین لانا پڑے گا کہ جسکا یہ کلام ہے وہ حی و قیوم ہے وہ قادر مطلق ہے وہ سمیع و بصیر ہے اور جب یہ یقین پیدا ہو جائے گا تو قیامت پر بھی غیر متزلزل یقین پیدا ہو جائے گا جو اس سورۃ کا اصل مقصد ہے جیسا کہ اسکے نام سے واضح ہے۔

یہ آیات قرآن کریم کے دائمی شریعت ہونے پر اور غیر مبتدل کلام ہونے پر بھی بہت پختہ دلیل ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کریم منسوخ نہیں ہو سکتا نہ اس میں کسی قسم کا نسخ ہے۔ قرآن کے متعلق وعدہ تھا کہ اسکی حفاظت کی جائے گی اور چودہ سو سال کی تاریخ نے ثابت کر دیا کہ یہ وعدہ خدا کیطرف سے اور حق تھا۔ وعدہ تھا کہ الفاظ ہی کی نہیں معانی کی بھی حفاظت ہوگی اور اللہ تعالیٰ حسب ضرورت اپنی وحی کے ذریعہ قرآن کا بیان فرماتا رہے گا اور یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ تمام انسانوں کو مخاطب ہو کر بحیثیت نوع انسان حکم فرمایا تھا کہ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ اس قرآن کی اتباع کرنی ہے اور یہ تمام امور خدا تعالیٰ کی قولی اور فعلی شہادت ہیں کہ قرآن غیر مبتدل اور ناقابل تنسیخ ہے۔ پس بہائی یا کوئی اور جو قرآن کی منسوخی کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ باطل پرست ہیں۔ پچھلی سورۃ میں عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ کی تفسیر میں یہ بیان ہو چکا کہ قرآن کو منسوخ قرار دینے والے دجّال کی شاخ اور سقر کے عذاب کے مستحق قرار دئے گئے ہیں۔

إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کی آیت ان لوگوں کی غلطی پر بھی قطعی دلیل ہے جو قرآن کے اندر نسخ کے قائل ہیں اول تو یہ خیال اسطرح سے باطل ہے کہ نسخ کا عقیدہ مان کر قرآن محفوظ نہیں رہتا جس عمارت میں توڑ پھوڑ شروع ہو جائے تو کسطرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ عمارت ہمیشہ قائم رہے گی۔ جس عمارت کی ایک اینٹ بھی ٹوٹ گئی اس میں تخریب کا سلسلہ شروع ہو گیا اگر ایسا ہو تو وہ عمارت باقی نہیں رہ سکتی۔ دوسرے یہ خیال اسطرح بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کے الفاظ صراحت ہیں کہ اگر نسخ ہے تو اسکا بیان خدا تعالیٰ کیطرف سے اور قرآن میں ہونا چاہئے نہ کہ زید یا بکر کہے کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور فلاں ناسخ۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو نعوذ باللہ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ خدا کا قول نہیں ہو سکتا۔ اگر قرآن میں نسخ ہے تو اسی آیت کی رو سے بیان نسخ قرآن میں ہونا چاہئے لیکن سارے قرآن کو اول تا آخر دیکھ لو کہیں یہ لکھا ہوا نہیں پایا جائے گا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ فلاں حکم جو دیا گیا تھا فلاں حکم کے ذریعہ منسوخ کیا جاتا ہے۔ کسی انسان کو یہ حق کس طرح سے مل سکتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کلام اللہ کے کسی حصہ کو منسوخ قرار دے۔ سوچنے کی بات ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کو منسوخ قرار دینے میں جلد بازی سے کام لینا کیا لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں یہ حکم جو رسول اللہ صلعم کو دیا گیا تھا ساری امت حسب مراتب اس حکم کی مخاطب ہے اور قرآن کریم میں نسخ قرار دینا جلد بازی ہی کا نتیجہ ہے کہ جسکو کوئی حصہ سمجھ نہیں آیا یا کوئی آیت دوسری آیت کے خلاف نظر آئی اسکو جلدی سے منسوخ قرار دے دیا گیا حالانکہ چاہئے تھا کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جاتا اور حوالہ بخدا کیا جاتا کہ اپنے وقت پر مطالب قرآن کھل جائیں گے اور جو بات بظاہر تناقض نظر آتی ہے وہ تناقض مزید عرفان کے نتیجہ میں دور ہو جائے گا۔ اس بات کے ثبوت میں کہ نسخ کا خیال عجلت کا نتیجہ ہے یہ ہے کہ کسی نے کسی آیت کو منسوخ قرار دیا اور کسی اور نے اسی آیت کو ناسخ قرار دیدیا اور کسی نے پانچ سو آیات کو منسوخ کہا تو کسی نے پانچ آیات کو غرض إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ قطعی الدلالت ہے کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا ازلی ابدی کلام ہے اور دائمی شریعت اس میں نسخ نہیں ہو سکتا ورنہ اسکا بیان خدا تعالیٰ کیطرف سے قرآن میں ہوتا حالانکہ قرآن کریم میں کہیں بھی اشارہ تک اس بات کا نہیں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ ہے اور یہ جو فرمایا کہ مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اس سے جو اصطلاحی معنوں میں نسخ کا استدلال کیا جاتا ہے ایسا ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ اسکے الٹ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں نسخ نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ آیت پہلی کتابوں کے متعلق ہے اور پہلے اس سے دشمنان دین کا ذکر ہے اور فرمایا ہے کہ اہل کتاب جو اسلام کے منکر ہیں وہ نہیں چاہتے کہ تم پر اے مسلمانو خدا کی طرف سے جو تمہارا رب ہے کوئی خیر نازل ہو نہ ہی مشرک یہ پسند کرتے ہیں۔ خیر جسکے نزول نے مسلمانوں کو خیر امت بنایا قرآن ہی ہے اور خیر الرسل ہیں۔ پس واضح طور پر قرآن کریم کے نزول کا ذکر ہے اور فرمایا ہے کہ اہل کتاب نہیں پسند کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے خیر نازل ہو اسلئے اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں اور اعتراض وارد کرتے ہیں۔ فرمایا

وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کرنے والا ہے۔ فضل عظیم کیا ہے خود فرمایا عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا پس ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ کہہ کر اسی کتاب کا وعدہ دیا تھا جو علم الٰہی پر مشتمل ہے جسکے علوم کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا جیسا کہ فرمایا کہ تجھے وہ علم دیا کہ جو تجھے حاصل نہیں تھا نہ حاصل ہو سکتا تھا کہ کوئی کتاب اور کوئی استاد وہ علم نہیں دے سکتا تھا جو معلم حقیقی نے قرآن کے ذریعہ عطا فرمایا وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا تجھ پر خدا کا فضل اپنی ہمہ گیری اپنی وسعت ہر لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہے۔ پس اس بیان میں کہ اہل کتاب جو حق کے منکر اور کافر ہیں نہیں چاہتے کہ مسلمانوں پر انکے رب کی طرف سے خیر نازل ہو فرمایا کہ مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ کہ جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں جسطرح کے اہل کتاب کی کتابیں تورات وانجیل یا تو منسوخ قرار پائیں یا تحریف کا شکار ہوئیں یا محفوظ نہیں رہیں۔ فرمایا کہ ہمارا یہ وعدہ ہے کہ جو حصہ پہلی کتابوں کا منسوخ قرار دیا گیا اس سے بہتر تعلیم قرآن میں دیں گے اور جو بھول گیا یا متاخر کیا گیا اسکو اسی طرح سے قرآن میں بیان کر دیں گے یعنی پہلی کتابوں کا کچھ حصہ قابل نسخ تھا وہ نسخ قرار دیا جا کر اس سے بہتر تعلیم دی گئی اور کچھ تعلیم ایسی تھی جو قائم رہنے والی تھی اسکو اُسی طرح سے قرآن میں بیان کر دیا گیا۔ ایک تو سیاق کے لحاظ سے یہ معنے ہیں دوسرے معنی آیات کے معجزات اور نشانات ہیں جو انبیاء کو دئے گئے اور اہل کتاب اور مشرکین کے اس اعتراض کیطرف اشارہ ہے کہ جیسے نشان اور معجزات پہلے نبیوں کو ملے ویسے ہی نشان دئے جائیں جیسا کہ فرمایا إِذَا جَاءتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ (6:124) جب انھیں نشان دکھایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسوقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ویسے نشان نہ دئے جائیں جیسا کہ اللہ کے ان رسولوں کو دئے گئے جو آپ سے پہلے آئے تھے یہ تو عام کفار کی شوخی کا بیان تھا اور خاص

طور پر اہل کتاب کے متعلق فرمایا فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ (28:48) جب انکے پاس ہماری جناب سے حق آ گیا تو لگے کہنے کہ اس رسول کو ویسے نشان اور وہی تعلیمات کیوں نہیں دی گئیں یعنی وہی تعلیم ہونی چاہئے تھی جو موسیٰ کو دی گئی وہی نشانات صداقت مثل ید بیضاء اور عصا ہونے چاہئیں تھے فرمایا کہ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ کہ ایسی بات کہتے حیاء نہیں آتی کہ کیا موسیٰ کو قبول کر لیا تھا اور کیا موسیٰ کا بھی اُسی طرح سے انکار نہیں کرتے رہے۔ موسیٰ کا بھی اور ان نشانوں کا بھی جو موسیٰ کو دئے گئے تھے یہاں تک کہ کہہ دیا کہ یہ موسیٰ و ہارون تو جادوگر ہیں اور ایک دوسرے کی پشت پناہی کر رہے ہیں تو مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ اسی کیطرف اشارہ کر رہا ہے جو انھوں نے کہا تھا کہ لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ کہ جو تعلیم اور جو نشانات موسیٰ کو دئے گئے وہی اس نبی کو بھی ملنے چاہئے تھے انکا جواب ہے جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں اور پہلے نشانات کو منسوخ کر کے ان سے بہتر تعلیم اور بہتر اور برتر نشانات دئے ہیں یا ویسے ہی نشانات دئے ہیں اور ثابت کر دیا ہے کہ وہ جس نے رسول کو مبعوث کیا اور قرآن دیا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس آیت میں اس نسخ اصطلاحی کا جو قرآن کریم میں قرار دیا جاتا ہے کہ کسی حکم کا یا کسی آیت کی تلاوت کا حکم بدل دینا یا ترک کرنے کا حکم دینا اس قسم کے نسخ کا سورۃ بقرہ کی یہ آیت بھی انکار کر رہی ہے کیونکہ واضح طور پر فرمایا ہے کہ نسخ کی دو ہی صورتیں ہیں کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے واضح بیان ہو کہ فلاں آیت کو منسوخ کر کے ہم اس سے بہتر فلاں آیت یا اسکا بدل نازل کر رہے ہیں۔ اس آیت میں بھی نسخ اور اسکے بدلہ میں بہتر یا مثل لانے کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے کسی انسان کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ کہے کہ فلاں آیت منسوخ ہے یا فلاں حکم ترک کیا گیا یا بدل دیا گیا اور سورۃ بقرہ کی اس آیت مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ کو إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کیساتھ ملا لیا جائے تو بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ قرآن میں نسخ نہیں اور نہ تا قیامت قرآن کی کوئی آیت یا کوئی لفظ یا کوئی حرکت و سکون منسوخ ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو خدا تعالیٰ کیطرف سے اسکا بیان قرآن کریم ہی میں ہونا چاہئے تھا یہ بہت اہم بات ہے اور قرآن کریم کے دائمی شریعت ہونے کے عقیدہ کو لازم ہے اور یہ معنی اور وہ معنے جو پہلے کئے کہ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکم مبعوث کر کے اپنی وحی کے ذریعہ حسب ضرورت زمانہ قرآنی علوم کھولے گا۔ یہ دونوں معنے دراصل ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں اور مسیح موعود علیہ السلام کا دلائل یقینیہ قطعیہ کے ساتھ یہ ثابت فرمانا کہ قرآن میں نسخ یعنی اصطلاحی نسخ جسکے معنے کسی حکم کے بدلنے کے ہیں نہ ہے نہ ہو سکتا ہے نہ آئندہ کبھی کوئی آیت قرآنی منسوخ ہوگی کہ قرآن محفوظ اور اسکا بیان کرنے والا زندہ خدا موجود ہے۔ بعض لوگ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بعض فرمودات میں نسخ کا لفظ دیکھ کر غلط فہمی میں مبتلاء ہو جاتے ہیں حالانکہ صحابہ نے نسخ کا لفظ اور معنوں میں استعمال فرمایا ہے یعنی اس لفظ کے لغوی معنوں میں۔ اصل میں نسخ کے معنے منتقل کرنے کے ہوتے ہیں جسطرح کہتے ہیں نسخت الشمس الظل یعنی سورج کے چلنے کے نتیجہ میں سائے کا ادھر سے اُدھر منتقل ہو جانا تو ایسا نسخ تو کلام کا لازمی جزء ہوتا ہے۔ اس قسم کے انتقال مفہوم کے بغیر کوئی کلام ممکن نہیں۔ جسطرح فرمایا كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ

مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ یعنی رمضان کی رات کو تم کھا پی سکتے ہو اور اسوقت تک کھانا پینا جائز ہے جب تک سیاہ دھاری سفید دھاری سے ممتاز نظر نہ آنے لگے یعنی فجر تک۔ اس آیت میں مِنَ الْفَجْرِ کے لفظ کو صحابہ رضوان اللہ علیہم کی اصطلاح میں نسخ کہتے ہیں کیونکہ مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ نے خَيْطِ الْأَسْوَدِ و خَيْطُ الْأَبْيَضُ کے معنوں کو بدل کر ایک خاص معنے میں کر دیا ہے یعنی بتلایا ہے کہ خَيْطُ سے مراد تاگہ نہیں سوت یا اون کی بٹی ہوئی کوئی چیز مراد نہیں بلکہ اس سے مراد وہ روشنی ہے جو فجر کے طلوع کے وقت پہلے شرقاً و غرباً ظاہر ہوتی ہے جسے فجر کاذب کہتے ہیں اور پھر شمالاً جنوباً پھیل جاتی ہے جسے فجر صادق کہتے ہیں اور یہی فجر صادق خَيْطِ الْأَسْوَدِ و خَيْطُ الْأَبْيَضُ کے علیحدہ علیحدہ پہچانے جانے کے الفاظ میں مراد ہے۔ اس مثال سے ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ نسخ سے مراد کلام کا وہ حصہ ہے جو عام کو خاص یا مطلق کو مقیّد یا بالعکس مفہوم دینے کیلئے لایا جائے اور یہ چیز تو کلام کا لازمی حصہ ہے اسکے بغیر کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

بہر حال إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے منسوخ ہونے یا قرآن کریم میں کسی قسم کے نسخ کے خیال کو رد کیا ہے اور اس آیت کے بہت سے مطالب میں سے ایک ضروری اور اہم بات یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ قرآن دائمی شریعت ہے اور اس میں کوئی نسخ نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کے ثبوت کیلئے یہ انتظام بھی فرمایا ہے کہ خدا کی وحی سے مشرف ہو کر ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو اپنے وجود سے اور ان نشانوں کیساتھ جو خدا تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن محفوظ ہے لفظاً بھی اور معناً بھی۔

----------تمت----------